فکر و نظر---- اسلام آباد　　جلد: ۴۰-۴۱　　شمارہ: ۴، ۱

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور خدمت حدیث نبویؐ

پروفیسر نثار احمد فاروقی ☆

اسلامی شریعت کے دو ہی بنیادی مصدر اور ماخذ ہیں: قرآن اور حدیث نبوی۔ قرآن کے بارے میں تو اُس کے نازل کرنے والے نے صاف اور صریح الفاظ میں خود حفاظت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے:

اِنّانَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنّا لہٗ لَحٰفِظُون. (سورۃ ۱۵ آیت ۹)

جو معاندین اسلام قرآن کے محرّف ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی اس میں کوئی تحریف ثابت نہیں کر سکتے، اس لیے کہ اس کی ترتیب و تدوین خود رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں پورے اہتمام سے شروع ہو گئی تھی اور فجر اسلام کے ہر دور میں قرآن کے حافظ موجود تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اُمت مسلمہ کو قرآن کی ایک قرأت پر جمع کیا اور ان کے عہد میں مرتب کیا ہوا نسخہ آج بھی تاشقند کے ہسٹری میوزیم میں محفوظ ہے۔

دوسرے مصدرِ شریعت یعنی حدیث نبوی کے بارے میں یہ غلط فہمی شائع کی گئی کہ اس کی تدوین تیسری صدی ہجری کے آغاز سے ہوئی، ابتدائی دور میں اس کی حفاظت اور تدوین کا خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ اس مغالطے کو مستشرقین نے بھی خوب ہوا دی جن میں جرمن مستشرق گولڈ زیہر Goldziher پیش پیش ہے، یہی نہیں خود مسلمانوں میں بھی ایسے فرقے پیدا ہو گئے جنہوں نے حدیث نبوی کی حجت اور پایۂ استناد پر شک کیا اور خود کو ''اہل قرآن'' کہنے لگے۔ یہ ضرور ہے کہ ابتدائی دور میں جب تک مکمل قرآن کریم ''بین الدفتین'' جمع نہیں ہوا تھا، اس کا احتمال باقی تھا کہ قرآن اور حدیث کے متن میں خلط مبحث ہو جائے گا، حدیث نبوی کی جمع و تدوین کو قرآن کریم کی جمع و تدوین کے کام سے ممتاز رکھا گیا۔ لیکن ایسا نہیں کہ حدیث نبوی کی حفاظت سے غفلت برتی گئی ہو اور اس کا ذخیرہ ضائع ہونے دیا گیا ہو۔ خود رسالت مآب ﷺ کے عہد میں بعض اصحابِ رسول ﷺ صحائف کی صورت میں احادیث نبوی جمع کر رہے تھے جن کا تذکرہ ہمیں طبقات ابن سعد جیسی قدیم اور مستند کتابوں میں مل جاتا ہے۔ بعد کے زمانے میں علمائے اُمت نے علومِ حدیث کی خدمت کے بے مثال معیار وضع کیے مثلاً ساڑھے پانچ لاکھ راویوں کے حالات جمع کیے گئے، جس

☆ سابق صدر شعبہ عربی، دہلی یونیورسٹی، انڈیا۔

سے ہر راوی کے بارے میں معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ کس علاقے کا رہنے والا تھا، اس نے کن اساتذہ سے علم حاصل کیا تھا، اس کے شاگرد کون کون تھے اس کا اور اس کے استادوں اور شاگردوں کا پایۂ استناد کیا تھا وغیرہ۔ مستشرق اسپرنگر نے صحیح کہا ہے کہ فن اسماء الرجال خاص مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اس کی مثال دوسرے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔

یہی نہیں بلکہ متن حدیث کی پرکھ کے لیے اس کے علاوہ علم اصولِ حدیث وضع کیا گیا اور اس کی روشنی میں تمام روایات کا جائزہ لے کر احادیث کے درجات متعین کیے گئے۔ اتنی احتیاط اور ایسی باریک بینی کے ساتھ نقد وتحلیل کا کام تو دنیا کے کسی بڑے مذہب کے بانی کے اقوال کی صحت اور حفاظت کے لیے کبھی نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ سے ضعیف اور موضوع احادیث کا پرکھ لینا کچھ بھی دشوار نہیں رہا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر سیاسی مقاصد اور مذہبی عصبیت کی وجہ سے بعض احادیث گھڑی گئیں تو ہم احادیث کے سارے ہی سرمائے کو بے اصل اور غیر معتبر کہنے لگیں۔

اسلامیات کے نہایت ممتاز اور محترم اسکالر ڈاکٹر محمد حمیداللہ جن کا پچھلے سال امریکہ میں انتقال ہوا۔ وہ ایک ایسے بے مثال عالم تھے کہ انہیں بس آیۃ من آیاتِ اللہ ہی کہا جا سکتا ہے، انہوں نے قرآن کریم، احادیث نبوی، سیرتِ طیبہ، اور تاریخ اسلام کی نہایت بیش قیمت خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے قرآن کریم کا فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ کیا، سیرت کی مشہور اور قدیم ترین کتاب تالیف ابوبکر محمد بن اسحٰق بن یسار [وفات ۱۵۱ھ] جو تیرہ سو برس سے ناپید تھی اور جس کا صرف ایک خلاصہ سیرۃ ابن ہشام کی شکل میں دستیاب تھا، ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب نے اس کا اصل عربی متن دریافت کر کے شائع کیا۔ اس کا جرمن زبان میں ترجمہ مستشرق وایل نے ۱۸۶۴ء میں چھاپا تھا مگر یہ سب ابن ہشام پر ہی منحصر تھا۔ اب اس کا انگریزی (مترجمہ الفرڈ گیوم) اور اردو ترجمہ [نور الٰہی ایڈوکیٹ] بھی بازار میں موجود ہے۔

سیرۃ طیبہ کے بنیادی مصادر کی دریافت، ان کی تحقیق و تدوین خود سب سے بڑا کام ہے لیکن ڈاکٹر محمد حمیداللہ مرحوم نے اپنے زندگی بھر کے مطالعہ و مشاہدہ، غور و فکر اور بحث و تحقیق کا عطر ایک مختصر انگریزی کتاب Muhammad Rasulullah میں پیش کیا جسے کتب سیرۃ کا عطر کہا جا سکتا ہے۔ میں نے اس کتاب کا اُردو ترجمہ رسالہ نقوش، لاہور کے رسول نمبر کے لیے ڈاکٹر مختار عالم حق سے (لاہور) کرایا تھا اور یہ ترجمہ ڈاکٹر حمیداللہ مرحوم نے بھی پسند کیا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خطوط و فرامین اور سیاسی وثائق اور دستاویزیں بھی جمع کیں، اُن پر نہایت مفید حواشی کا اضافہ کر کے شائع کیا، اسی طرح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دو خطوں کی اصلیں بھی دریافت کیں۔ احادیث نبوی کی خدمت کے سلسلے میں اُن کا ایک نہایت

اہم، بنیادی اور قابل قدر کارنامہ صحیفۂ ھمام بن مُنَبّہ ہے۔ اس مختصر رسالے کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ احادیث نبوی کی جمع و تدوین کا آغاز عہد رسالت کے معاً بعد ہو چکا تھا۔

ھمام بن مُنبہ (وفات ۱۰۲ھ) اصلاً یمن کے باشندے اور وہب بن مُنبِہ (وفات ۱۱۰ھ) کے بڑے بھائی ہیں۔ وھب سے سیرۃ اور مغازی میں اسرائیلیات کی بہت سی روایات ملتی ہیں، یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ صحف سماوی (توریت، انجیل وغیرہ) کے بھی عالم تھے۔ انہوں نے اسرائیلی روایات کی روشنی میں قرآن کی ان آیات کی تفسیر و تشریح بھی کی ہے جن کے موضوعات یہودیت اور اسلام میں مشترک ہیں۔ یہودی احبار کی طرح وہ قدیم ترین حوادث اور اساطیر کی تاریخیں بھی بتانا چاہتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ''سفینۂ نوح ۱۵۰ دنوں تک پانی میں تیرنے کے بعد رجب کی دس تاریخ کو جودی پہاڑ پر آ کر رکا تھا''۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ بھی وھب بن منبہ کی روایت میں ہی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے تھے۔

وھب بن منبہ کی ولادت سن ۳۴ھ (۶۵۴-۶۵۵ء) میں ذمار میں ہوئی تھی، جو یمن میں صنعاء کے پاس ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ اُن کی پرورش اور تعلیم یمن ہی میں ہوئی اور وہ غالباً کچھ عرصے تک صنعاء کے قاضی بھی رہے تھے۔ بعض سوانح نگاروں نے اُن کے قبولِ اسلام کا سال سن ۱۰ھ بتایا ہے مگر یہ صریحاً غلط ہے۔ اس کا امکان ہے کہ یہ وھب اور ھمام کے والد منبہ کے قبولِ اسلام کا سال ہو۔ ہمارے مآخذ یہ بھی بتاتے ہیں کہ یمن کے گورنر یوسف بن عمر الثقفی نے انہیں کچھ مدت کے لیے قید بھی کر دیا تھا، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ سزا کس جرم میں دی گئی تھی۔ خیال یہ ہے کہ ان کے بعض اجنبی عقائد کی وجہ سے انہیں نظر بند کیا گیا تھا۔ ابن حجر عسقلانی (ص ۱۶۸) کا بیان ہے کہ گورنر نے ان کے بدن پر کوڑے بھی لگوائے تھے جس کی تاب نہ لا کر وہ انتقال کر گئے تھے۔ ۱۰۰ھ کے قریب ہم انہیں مدینہ میں پاتے ہیں، جہاں اس وقت کے ممتاز فقہاء اور محدثین سے مل کر وہ سیرۃ اور مغازی کی معلومات فراہم کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ قید و بند اور کوڑے لگوانے کا واقعہ ۱۲۰ھ میں پیش آیا ہوگا۔ بعض روایات میں اُن کی موت کا سال سن ۱۱۴ھ بتایا گیا ہے۔ الذھبی اور یاقوت وغیرہ ان کی تاریخ وفات ۱۱ محرم ۱۱۰ھ (۸۱۰ء) لکھتے ہیں۔ وھب کو عام طور پر ثقہ راوی سمجھا گیا ہے، وہ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ان سے مروی صرف ایک حدیث ملتی ہے جس کی سند ان کے بھائی ھمام کے واسطے سے حضرت ابوہریرۃؓ تک پہنچتی ہے۔

وہب نے اسرائیلی روایات سے اچھی شناسائی پیدا کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدیم زبانوں کے اس رسم الخط سے بھی کچھ واقفیت رکھتے تھے جو اب ناپید ہو چکے ہیں۔ ۸۷ھ میں جب الولید بن عبدالملک نے جامع دمشق کی تعمیر شروع کی تو وہاں زمین کے اندر سے پتھر کا ایک ٹکڑا نکلا تھا جس پر کسی

نامعلوم رسم الخط میں کچھ کندہ کیا ہوا تھا۔ جب اس کتبے کی عبارت کوئی نہیں پڑھ سکا تو الولید نے اسے وہب بن منبہ کے پاس بھیجا تھا۔

وہب بن منبہ سے کچھ تالیفات بھی منسوب کی جاتی ہیں، ان میں ایک کتاب المبتدا ہے۔ غالبًا اسی کتاب کو بعض مفسرین اور سیرۃ نگاروں نے الاسرائیلیات بھی کہا ہے۔ مستشرق C. H. Becker کہتا ہے کہ Reinhardt Shott کے ذخیرہ اوراقِ بردی (Papyri) میں جو مجموعہ ملا ہے وہ وہب بن منبہ کی کتاب المغازی ہے جس کی روایت وہب کے پوتے عبدالمنعم بن ادریس نے کی ہے۔

ان سب واضح شہادتوں کے ہوتے ہوئے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ عہدِ رسالت میں اور زمانہ خلفائے راشدین میں تفسیر ماثور، سیرۃ و مغازی، وقائع تاریخی اور جمع احادیث نبوی ہر علم وفن کا کام بھی شروع ہو گیا تھا۔ البتہ سامان کتابت کے آسانی سے دستیاب نہ ہونے کے باعث اور اس سبب سے کہ عربوں میں زبانی حفظ کرنے کی روایت بہت مستحکم تھی، اس تدوین کی رفتار سست رہی ہوگی۔

ہمام بن منبہ (ف ۱۰۱ھ) وھب بن منبہ کے بڑے بھائی اور حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا نام الصحیفۃ الصحیحۃ رکھا تھا۔ یہ اب تک کی دریافت کے مطابق احادیثِ نبوی کا سب سے قدیم نسخہ ہے جو ٹیوبن گن (جرمنی) سے ملا تھا۔ اس سے ناقابل تردید طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تدوین حدیث کا کام اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے اس کا مخطوطہ دریافت کیا اور حسن اتفاق سے اس کا ایک اور نسخہ انہیں دمشق میں بھی مل گیا، جس کی مدد سے انہوں نے اس کا متن مرتب کیا ہے اور اس پر نہایت مفید اور ضروری حواشی کے علاوہ ایک مفصل مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ یہ علم حدیث کی ایک ایسی بیش بہا خدمت ہے جو تاریخ علومِ اسلامیہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف کو نہایت ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

ہمام بن منبہ سے معمر بن راشد نے روایت کی اور معمر سے عبدالرزاق نے جن کا مصنف مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق و تدوین کے بعد بیروت سے شائع ہو کر عالم اسلام میں مقبول ہو چکا ہے۔ اس صحیفے کی روایات مُسند احمد بن حنبلؒ میں بھی درج کی گئی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ہمارے صف اوّل کے محدثین کی نظر میں بھی معتبر اور مستند رہا ہے۔